ایثار کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ آپ کو غیر قوموں کے دلوں میں گھر کرنے کی توفیق بخشے گا

(خطبہ جمعہ فرمودہ 21 اگست 1998ء بمقام مئی مارکیٹ من ہائم۔ جرمنی)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انورؒ نے درج ذیل آیات کریمہ کی تلاوت کی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (الحجرات: 3،2)

پھر فرمایا:

یہ وہ مضمون ہے جس میں حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خصوصیت سے ایک ایسے رسول کے طور پر ذکر کیا گیا ہے جس کا احترام دُنیا کے ہر انسان سے زیادہ ہونا چاہئے اور اسی تعلق میں مختصراً ذکر میں نے اپنے ایک گزشتہ خطبہ میں لندن میں کیا تھا لیکن وہ مضمون کچھ ادھورا رہا اور کچھ غلط فہمیاں بھی اس کے نتیجے میں پیدا ہوئیں جن کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے انگلستان میں تو بار بار یہ اعلان کروائے کہ جو میرا مطلب آپ سمجھے ہیں وہ درست نہیں، اصل مطلب اور ہے اور وہ جو مطلب ہے اس کا اطلاق صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت کے پیش نظر ہر دوسرے ایسے انسان سے بھی تعلق رکھتا ہے جو حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاہے دور کی نیابت ہو، مگر نیابت

میں امام بنایا گیا ہو اور اسی طرح اس مضمون کا تعلق میں سمجھتا ہوں درجہ بدرجہ ان تمام ائمہ سے بھی ہے جو مساجد میں آنحضرت ﷺ کی سنّت کی پیروی کرتے ہوئے امامت کرتے ہیں اور گھر کے بڑوں سے بھی تعلق ہے۔ تو یہ مضمون سلسلہ وار آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اگر چہ یہ سارے التزامات آنحضور ﷺ کے بعد دوسروں کے لئے بعینہٖ اس طرح نہیں ہونے چاہئیں کیونکہ حضور اکرم ﷺ کو جو امتیاز بخشا گیا ہے وہ اپنی جگہ ایک ایسا امتیاز ہے جس میں کوئی شریک نہیں ہوسکتا مگر کچھ نہ کچھ درجہ بدرجہ اس سے دوسرے بھی حصّہ پاتے ہیں اور ہمارے زمانہ میں سب سے زیادہ حصّہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پایا کیونکہ اس دور میں آپؑ ہی نے آنحضور ﷺ کی نیابت کا حق ادا کیا۔ یہ اس مضمون کی اہمیت ہے جس کے پیش نظر میں اب مزید تفصیل بیان کرتا ہوں۔

میں نے گزشتہ خطبہ میں یہ عرض کیا تھا کہ بعض لوگ ٹکٹکی لگا کے مجھے دیکھتے ہیں یعنی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر، جو میرے لئے الجھن کا موجب بنتا ہے۔ پس دیکھیں اور دیکھنا بات کرتے وقت ضروری ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ آنکھوں میں ٹکٹکی لگا کر اس طرح دیکھا جائے گویا انسان اندر تک اتر رہا ہے۔ یہ صرف چند لوگوں کو عادت ہوتی ہے اور انہی کے پیش نظر میں نے اُس خطبہ میں یہ ذکر کیا تھا مگر بعد میں جب میں نے دیکھا تو عجیب حال پایا۔ تمام وہ مخلصین جو ہمیشہ سے اعتدال اختیار کیا کرتے ہیں ان سب بے چاروں کی آنکھیں، میں نے اس طرح جھکی ہوئی دیکھیں کہ سر بھی جھک گیا اور آتے جاتے وہ دیکھ کر مجھے گھبراہٹ ہوتی تھی کہ ہو کیا رہا ہے۔ ہر ایک نے بڑے ادب سے پوری طرح سر جھکا کر زمین پر نظریں گاڑی ہوئی تھیں۔ نہ مجھے آتے دیکھتے تھے نہ جاتے دیکھتے تھے اور نتیجہ یہ نکلا کہ میں حیران رہ گیا یہ کیا ہو رہا ہے۔ بعد میں مجھے سمجھ آئی کہ دراصل اُس خطبہ کا غلط تاثر قائم کیا گیا ہے اور میں نے مناسب سمجھا اور اُن سے وعدہ بھی کیا کہ جرمنی کی جماعت میں جا کر اس مضمون کے دوسرے پہلو بھی بیان کروں گا اور حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جو معاشرہ قائم تھا اور اس میں ہر قسم کی طبیعت کے لوگ تھے ان کا بھی ذکر کروں گا اور اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں آ کر جو معاشرہ قائم ہوا اور مختلف مزاج کے لوگ تھے ان کا بھی ذکر کروں گا اور یہ بھی سمجھاؤں گا کہ اِن آیات سے جو پڑھی گئی ہیں یا اُن روایات سے جو بیان کی جائیں گی ہرگز یہ مراد نہیں کہ انسان اپنے بنیادی مزاج کو تکلف سے بدلے۔ اپنے مزاج

کی حدود کے اندر رہتے ہوئے بھی ایک انسان آنحضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کی سنت کی پیروی کر سکتا ہے اور اسی طرح اپنے مزاج کی حدود کے اندر رہتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عشق کا حق بھی ادا کر سکتا ہے اور مختلف مزاج کے لوگوں کی حدود مختلف ہیں، ہر مزاج کا آدمی اپنی حدود کے اندر رہے اور ان حدود کے اندر اسے توفیق ملے گی کہ وہ اپنے عشق کا اظہار اس نسبت سے کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو صلاحیتیں بخشی ہیں۔

سب سے پہلے میں نے جو ٹکٹکی والی حدیث ہے وہ سامنے رکھی ہے، جو حضور اکرم ﷺ ناپسند فرماتے تھے۔ الادب المفرد للبخاری میں مجاہد بیان کرتے ہیں کہ:

''آنحضرت ﷺ اس امر کو ناپسند فرماتے تھے کہ کوئی اپنے بھائی کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہے۔''

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے یہ ٹکٹکی باندھنے کا مضمون صرف رسول اللہ ﷺ سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ بعض لوگوں کو عادت ہوتی ہے وہ دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے رہتے ہیں اور یہ گھورنے کی عادت نہایت معیوب ہے۔ آنحضور ﷺ اس عادت سے سخت کراہت فرماتے تھے۔ چنانچہ حضور ﷺ فرماتے ہیں:

''ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہے اور جب وہ اس کے پاس سے جائے تو اس کی نظریں اس کا پیچھا کرتی رہیں۔''

(الأدب المفرد للبخاری، باب لا یحد الرجل ألی اخیه النظر أذا ولّی، حدیث نمبر: 771)

یہ وہ مضمون ہے جو میرے اس خطبہ پر حاوی رہے گا اور جو وقت بچے گا اس میں مَیں انشاء اللہ بعض دوسرے امور یعنی ایثار سے تعلق رکھنے والے امور بیان کروں گا۔

حضرت ابن شماسه المهری بیان کرتے ہیں کہ:

''ہم حضرت عمروؓ بن العاص کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ وہ نزع کی حالت میں تھے۔''

یہ میں نے روایت کئی دفعہ بیان کی ہے مگر ہے بہت ہی پیاری روایت، ان معنوں میں کہ ایک صحابیؓ کی مختلف حالتوں کا ذکر ہے اور ایک صحابیؓ کے عشق کے انداز کا ذکر ہے جو باقی صحابہؓ سے مختلف تھا لیکن اس اختلاف کے باوجود ان کا ایک اپنا رنگ تھا جسے انہوں نے آخر تک پکڑے رکھا گو بعد میں پچھتائے کہ میں نے کیوں آنحضور ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کو نظر بھر کے نہیں دیکھا۔

’’چنانچہ حضرت عمروؓ بن العاص کی خدمت میں یہ ابن شماسہؓ حاضر ہوئے جب کہ وہ نزع کی حالت میں تھے۔ آپؓ کافی دیر تک روتے رہے اور منہ دیوار کی طرف پھیر لیا۔ آپؓ کے صاحبزادہ نے کہا اے میرے پیارے باپ کیا! آنحضرت ﷺ نے آپ کو فلاں فلاں بشارتیں نہیں دیں۔ راوی کہتے ہیں اس پر حضرت عمروؓ بن العاص نے منہ ہماری طرف کیا اور کہنے لگے سب سے بہتر جس چیز کی ہم تیاری کر سکتے ہیں وہ تو یہ شہادت دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے بعد فرمایا مجھ پر تین حالتیں آئیں۔ ایک وہ حالت جب میں سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ سے بغض رکھتا تھا اور یہ بھی پسند نہیں کرتا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے چہرے پر نظر ڈالوں۔‘‘

یعنی بغض کی اتنی انتہا تھی کہ شدّتِ نفرت سے اس چہرہ کو دیکھنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ صرف خواہش تھی کہ بس چلے تو میں اس کو قتل کر دوں۔ کہتے ہیں:

’’اگر اس حالت میں مَیں مرجاتا تو یقینا جہنمیوں میں سے ہوتا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو میرے دل میں ڈال دیا تو میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ہاتھ بڑھایئے میں آپ ﷺ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے مضبوطی سے آپ ﷺ کا ہاتھ تھام لیا۔ آنحضرت ﷺ فرمانے لگے عمرو! کیا بات ہے۔ کیوں اتنا مضبوطی سے ہاتھ پکڑ رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا میں آپ ﷺ سے ایک وعدہ لینا چاہتا ہوں۔ فرمایا کیا وعدہ لینا چاہتے ہو۔ میں نے عرض کیا یہ کہ میرے گناہ بخش دئے جائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام لانے کے بعد اس سے پہلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ہجرت اور حج کے بعد بھی ان سے پہلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس وقت میری نظر میں آنحضور ﷺ سے زیادہ محبوب اور زیادہ معزز کوئی اور شخص نہ تھا لیکن آپ ﷺ کی عظمت اور رعب کی وجہ سے آنکھ بھر کر آپ ﷺ کو دیکھ نہ سکتا تھا۔ اگر مجھ سے حضور انور کے حلیہ مبارک کے بارے میں پوچھا جائے تو میں بیان نہیں

کر سکتا کیونکہ میں نظر بھر کر آپ ﷺ کو کبھی نہیں دیکھ سکا۔ اگر میں اسی حالت میں فوت ہو جاتا (یعنی رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں جب کہ میرے عشق کا یہ عالم تھا) تو مجھے اُمید تھی کہ میں جنتیوں میں سے ہوتا۔''

(صحیح مسلم، کتاب الأیمان، باب کون الاسلام یھدم ما قبلہ و کذا الھجرۃ والحج، حدیث نمبر: 321)

اب یہ وجہ ہے۔ جب نزع کی حالت میں آپؓ نے منہ پھیرا اور روتے رہے آپؓ کو اپنے انجام کی یہ فکر تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام سے عداوت اور بغض کی حالت سے تو نکال لیا اور مجھ سے وعدہ بھی ہوا کہ جو اس حالت سے نکل جائے اس سے بخشش کا سلوک ہوگا لیکن جو بعد میں زندہ رہا ہوں اس دور میں مجھ سے خدا جانے کیا کیا غلطیاں سرزد ہوتی رہی ہیں۔ اگر میں اُس زمانہ میں مرجاتا تو اچھا تھا۔ یہی صدمہ تھا جو آپؓ کو نڈھال کئے جا رہا تھا اور نزع کی حالت کے یہی خیالات تھے جو آپؓ کو تنگ کر رہے تھے۔

ایک اور روایت سنن اُبی داؤد سے لی گئی ہے۔ اسامہؓ بن شریک بیان کرتے ہیں کہ:

''میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔''

اب یہ ایک نظارہ ہے جو اسامہؓ نے دیکھا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کی اس وقت کیا حالت ہوا کرتی تھی جب حضور اکرم ﷺ آپ میں تشریف فرما ہوتے تھے۔

''صحابہؓ یوں ساکت بیٹھے تھے گویا ان کے سروں پر پرندے ہوں۔''

یعنی جیسے سر پر پرندہ ہو اور بولنے سے اڑنے کا خطرہ ہوتا ہے انسان حرکت بھی نہیں کرتا، اسی طرح صحابہؓ ساکت وصامت بیٹھے تھے۔

''چنانچہ میں نے سلام عرض کیا پھر بیٹھ گیا۔ اِدھر اُدھر سے بدوی لوگ مجلس میں آنے لگے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم دوائیوں کا استعمال کیا کریں؟ اس پر فرمایا دوائیاں ضرور استعمال کیا کرو کیونکہ اللہ عزّ وجل نے کوئی بیماری نہیں بنائی مگر اس کا علاج بھی پیدا فرمایا ہے سوائے ایک بیماری کے جو بڑھاپا ہے، وہ مقدر ہے۔''

(سنن أبی داؤد، کتاب الطب، باب الرجل یتداوی، حدیث نمبر: 3855)

ہر شخص کو آخر بڑھاپا پہنچنا ہے اور اسی حالت میں جو اس سے مختلف امکانی سلوک ہو سکتے ہیں ان کا قرآن کریم میں تفصیل سے ذکر ہے مگر بڑھاپے سے کوئی انسان بچ نہیں سکتا۔ اگر جوانی کی عمر سے گزرے گا تو بڑھاپے کی عمر ضرور دیکھے گا۔ فرمایا اس کا کوئی علاج نہیں باقی سب چیزوں کا علاج ہے۔ اس بناء پر بعض صحابہؓ نے یہ بھی خواہش کی کہ ہم تو خاموش بیٹھے رہیں مگر ہماری موجودگی میں کوئی بدوی آجائے اور وہ سوال کرے اور اس رنگ میں ہماری تربیت ہو جائے۔ آنحضور ﷺ کا چہرہ دیکھ کر جو صحابہؓ پہچانتے تھے کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا ان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تو تھے۔ پس یہ خیال کرنا کہ چہرہ دیکھنا گویا ممنوع تھا یہ درست نہیں ہے۔ چہرہ دیکھنے کا بھی انداز ہوا کرتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ آپ آنحضور ﷺ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر، ٹکٹکی لگا کر، گھورتے ہوئے دیکھیں۔ یہ ناممکن ہے اور یہ بھی ناممکن ہے کہ آپؓ کی نظریں آپ ﷺ کے چہرے پر نہ پڑیں۔ اس لئے ان دونوں باتوں کے درمیان اعتدال کی ضرورت ہے اور سب لوگ اپنی عادتوں میں یہ اعتدال پیدا کریں۔

اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی روایات چونکہ ہمارے قریب کی روایات ہیں اور تحریروں میں بھی محفوظ ہیں اس لئے آنحضور ﷺ کے زمانہ میں جو آداب ہوا کرتے تھے اور جس طرح مختلف صحابہؓ اپنے اپنے رنگ میں آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ان میں یہ بھی ایک رنگ تھا کہ بعض صحابہؓ سوال کیا کرتے تھے، ضروری نہیں کہ بدوی ہو۔ چنانچہ کثرت سے روایات ملتی ہیں کہ آنحضور ﷺ سے بعض مقامی صحابہؓ بھی سوال کرنے کی عادت رکھتے تھے اور اس بات کو آنحضور ﷺ نے کبھی ناپسند نہیں فرمایا بلکہ بعض موقعوں پر آپ ﷺ نے پوچھا اور بار بار پوچھا کہ خاموش بیٹھے ہو مجھ سے کوئی سوال کرو۔ پس یہ تصور قائم کرنا درست نہیں کہ صرف بدویوں پر لوگ بیٹھے رہتے تھے کہ وہ آئیں تو سوال کریں۔ سوال کرنے کی عادت تھی بعض لوگوں کو اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو بند نہیں کیا۔ صرف اتنا فرمایا کرتے تھے کہ ضرورت سے زیادہ سوال نہ کیا کرو کیونکہ ہو سکتا ہے بعض سوالوں کے جواب میں تم پر تنگی عائد ہو جائے۔ اب یہی رنگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہؓ میں ملتا ہے۔ ہر ایک اپنے مزاج کے مطابق اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ دو صحابہؓ نمونے کے طور پر میں نے چنے ہیں۔ ایک حضرت حکیم نورالدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

آپؓ اور حضرت مولوی عبدالکریمؓ صاحب دونوں کے مسیح موعودؑ سے عشق میں کوئی بھی شک نہیں، رنگ اپنا اپنا تھا، مزاج الگ الگ تھے۔ چنانچہ حضرت مولوی محمد اسماعیلؓ صاحب ہلال پوری بیان کرتے ہیں کہ:

''حضرت مولوی صاحب (یعنی حکیم مولوی نورالدینؓ) اور حضرت مولوی عبدالکریمؓ صاحب اپنے اپنے رنگ میں اخلاص اور محبت کے پتلے تھے لیکن دونوں کی طبائع میں نمایاں فرق تھا۔ حضرت مولوی حکیم صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسجد میں تشریف لایا کرتے تھے تو حضورؑ کی مجلس میں سب سے آخر خاموشی کے ساتھ بیٹھ جایا کرتے تھے۔''

(حیات نور از عبدالقادر سابق سوداگرمل، باب چہارم صفحہ:263)

یعنی بعض دفعہ وہاں جگہ ملتی جہاں جوتیاں پڑی ہوتی تھیں اور ایک صوبہ سرحد کے صحابی کو اس بناء پر خلافت سے وابستگی کی توفیق ملی کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے حضرت نورالدین رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ خلیفہ بن رہے ہیں تو بے اختیار میرے منہ سے نکلا کہ اس شخص نے تو جوتیوں سے خلافت پالی۔

(انوار العلوم جلد 25 صفحہ:506، 507/ خطاب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرمودہ 27 اکتوبر 1956ء)

پس ایک رنگ یہ بھی تھا انکساری کا کہ جوتیوں میں بیٹھے رہتے اور اسی انکساری کو خدا نے قبول فرمایا اور انہی جوتیوں سے آپؓ کو خلافت مل گئی اور خلافت بھی وہ جو صدیقیت کا مقام رکھتی تھی۔

''لیکن حضرت مولانا عبدالکریمؓ صاحب ہمیشہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے اور سوالات کرنے سے کبھی ہچکچاتے نہیں تھے۔''

اب یہ دونوں صحابہؓ ہیں جن کے عشق کی گواہی خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی ہے۔ اس لئے اس سے انکار ممکن ہی نہیں۔

''بلکہ (مولوی صاحب) فرمایا کرتے تھے کہ یہ خدا تعالیٰ کے مامور دُنیا میں روز روز نہیں آتے، صدیوں بعد خوش قسمت لوگوں کو ان کی زیارت نصیب ہوتی ہے اس لئے جو سوالات ذہن میں آئیں وہ پیش کر کے دُنیا کی روحانی تشنگی کو بجھانے کا سامان پیدا کر لینا چاہئے۔''

(حیات نور از عبدالقادر سابق سوداگرمل، باب چہارم صفحہ:263)

اب دیکھیں محبت کے تقاضے بدلے بھی نہیں مگر دونوں جگہ تکلف نہیں تھا۔ یہ بنیادی بات ہے جسے آپ کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔ اگر تکلف سے ادب کریں گے تو وہ ادب نہیں ہوگا، وہ محض تکلف اور بناوٹ ہوگی۔ اگر واقعۃً اس مزاج کے مطابق جو اللہ نے آپ کو بخشا ہے اسی مزاج کی حدود میں رہتے ہوئے آپ محبت کریں گے تو یہ تکلف اور بناوٹ نہیں بلکہ طبعاً ایک محبت ہوگی۔ اور اس کا ہر رنگ اچھا ہوگا اگر سنت صحابہؓ کو آپ پیش نظر رکھیں۔

ایک ذکر حضرت مرزا ایوب بیگ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی ملتا ہے۔

''مجلس میں حضور کے بہت زیادہ قریب بیٹھتے اور ٹکٹکی لگا کر چہرہ مبارک کو دیکھتے اور پاؤں یا بازو یا کمر وغیرہ دباتے اور درود و استغفار پڑھتے رہتے۔''

اب بعض لوگ اس روایت کا غلط مطلب سمجھتے ہیں۔ یہاں ہرگز یہ نہیں کہا گیا کہ آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ٹکٹکی لگا کر دیکھتے تھے۔ چہرے کو دیکھتے تھے اور چہرہ کو دیکھنا ایک الگ مضمون ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ نظروں میں نظریں گاڑ کر دیکھتے تھے۔

''حضورؑ کوئی تقریر تقویٰ، طہارت کے متعلق فرماتے تو آپؓ کا پیراہن آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا۔''

(اصحاب احمد جلد اوّل از ملک صلاح الدین ایم-اے صفحہ: 97)

پس دیکھنے کے متعلق یہ بات پیش نظر رکھیں کہ غالب کا ایک شعر جو مجھے بہت پسند ہے اور وہ اس مضمون کو بہت عمدگی سے بیان کر رہا ہے وہ یہ ہے:

نظارہ نے بھی ،کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی (میرزا اسد اللہ خان غالب)

پس صحابہؓ کی نگاہیں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ پر مستی سے بکھر جایا کرتی تھیں اور اس سے آنحضور ﷺ نے کبھی منع نہیں فرمایا اور یہی حال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہؓ کا تھا۔ چنانچہ مرزا ایوب بیگؓ صاحب یا دوسرے جن صحابہؓ کے ذکر میں آپ یہ بات پائیں گے وہ دیکھتے تو تھے مگر ایسے کہ دیکھتے بھی نہ ہوں یعنی نگاہیں ہر طرف پھیل جاتی تھیں، بکھر جاتی تھیں اور کبھی ان صحابہؓ نے جرأت نہیں کی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھوں میں آنکھیں

گاڑ کر دیکھیں۔ ہاں یہ انداز تھا کہ دیکھ رہے ہیں، نظر ملتے ہی دوسری طرف رخ کر لیا یا آنکھ پھیر لی تا کہ گستاخی نہ بنے۔ پس بسا اوقات بات کرنے والا آنکھوں میں بھی دیکھتا ہے مگر دیکھنے کے انداز مختلف ہوتے ہیں۔ اگر دیکھ رہا ہو اور بات کرنے والے کی نظر پڑ جائے تو اس وقت جھجک سے آنکھ ذرا سی اِدھر اُدھر ہو جانی چاہئے اور بعض لوگوں کا دیکھنے کا انداز یہ ہوتا ہے کہ وہ دونوں آنکھوں کے درمیان ماتھے کے اوپر نظر رکھتے ہیں۔ ہمارے ایک مرحوم ماموں سید محمود اللہ شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کا یہی انداز ہوا کرتا تھا۔ حضرت مصلح موعودؓ سے کبھی ملنے آتے تو ہمیشہ اسی طرح دیکھتے تھے اور آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کا کوئی سوال نہیں تھا اور دل کی پیاس بھی بجھ جاتی تھی کہ پورا چہرہ غور سے دیکھوں۔ چنانچہ ایک دو دفعہ میں نے محسوس کیا کہ مجھے بھی اس طرح دیکھ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے آپ کی نگاہیں میرے اوپر ہوتی ہیں مگر ملتی نہیں تو تب مجھے انہوں نے یہ راز سمجھایا کہ میں نے یہ ایک اپنے لئے ترکیب بنائی ہوئی ہے کہ ماتھے کے اوپر دو آنکھوں کے درمیان اس جگہ دیکھتا ہوں تو دیکھنے والے کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ مجھے دیکھ نہیں رہا اور میری نظریں بھی ادب کی وجہ سے آنکھوں میں آنکھیں نہیں ڈالتیں۔ تو یہ بھی ایک انداز ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صحابیؓ جو عمر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے وقت چھوٹے تھے مگر پھر بھی اتنے چھوٹے نہیں تھے کیونکہ میری والدہ سے عمر میں بڑے تھے اور میری والدہ کی بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں آپ کے ایک بچے سے شادی ہوئی۔ پس اس وجہ سے میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی صحابہؓ ہی کا رنگ ہے جو حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی مجلس میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا انداز تھا یہ بھی ایک دلچسپ واقعہ ہے جو میں نے آپ کے لئے چنا ہے۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

> ”خلافت اولیٰ کے زمانہ میں میں نے دیکھا کہ جو ادب اور احترام اور جو اطاعت اور فرمانبرداری آپ (یعنی حضرت مصلح موعودؓ) حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرتے تھے اس کا نمونہ کسی اور شخص میں نہیں پایا۔“

حضرت مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق میں آپ کو بتادوں کہ ان کو بھی کن انکھیوں سے دیکھنے کی عادت تھی۔ بسا اوقات نظریں جھکی ہوتی تھیں مگر گردوپیش میں جو ہو رہا ہے اس سے باخبر رہتے تھے اور کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ ماحول میں جو باتیں ہو رہی ہوں ان سے بے خبر زمین پر نظریں گاڑ رکھی ہوں۔ دیکھتے تھے ہلکی نظر سے پھر نظریں جھکا لیا کرتے تھے۔ میں نے بھی مولوی صاحب کے ساتھ کھڑے ہو کر بہت نمازیں پڑھی ہیں۔ کئی دفعہ احمدیہ ہوسٹل کی مسجد میں آپؓ نے نماز پڑھنی شروع کی کیونکہ قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کے سلسلہ میں آپؓ کو لاہور چند مہینے ٹھہرنا پڑا تھا تو روزانہ صبح ہمارے ہوسٹل کی مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے اور مجھے یہ توفیق مل گئی کہ میں آپؓ کے ساتھ کھڑا ہوتا تھا۔ اس وقت میں نے آپؓ کو دیکھا کہ نماز کے بعد جب مجلس لگا کے بیٹھتے تھے تو تمام گردوپیش کی خبر ہوتی تھی مگر عادتاً آپؓ کی فطرت میں یہ بات تھی کہ اکثر آنکھیں جھکائے رکھتے تھے۔ تو آپؓ کی گواہی حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق میری اس گواہی کی تائید کرتی ہے کہ حضرت مولوی شیر علیؓ صاحب کی نظر سے کوئی اہم بات نہیں رہتی تھی اور کسی اور نے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی مجلس میں اس گہری نظر سے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں دیکھا جس طرح حضرت مولوی شیر علیؓ صاحب نے دیکھا اور یہ آپؓ کی ایک یکتا روایت ہے۔ چنانچہ اس کی تائید میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اپنی تحریر بھی ہے۔ آپؓ کی روایت جاری ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''آپؓ کے ادب کا یہ حال تھا کہ جب آپؓ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی خدمت میں جاتے تو آپؓ دوزانو ہو کر بیٹھ جاتے اور جتنا وقت آپؓ کی خدمت میں حاضر رہتے اسی طرح دوزانو ہی بیٹھے رہتے۔ میں نے یہ بات کسی اور صاحب میں نہیں دیکھی۔''

(تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ:636)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان بعینہٖ اس کی تائید کر رہا ہے۔ منصب خلافت میں یہ عبارت درج ہے:

''پہلے تو میں ان سے بے تکلف تھا (یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بے تکلف تھا) اور دو دو گھنٹہ تک مباحثہ کرتا رہتا تھا لیکن جب وہ خلیفہ ہو گئے تو کبھی میں اُن کے سامنے چوکڑی مار کر بھی نہیں بیٹھا کرتا تھا۔''

چوکڑی مار کر بیٹھنا یعنی ویسے ممنوع تو نہیں ہے۔ یہاں میرے سامنے کئی دوست ہیں جو چوکڑی مار کر بیٹھے ہوئے ہیں لیکن وہ ایک بڑی مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے لئے ممکن نہیں کہ اپنی چوکڑی کی عادت کو جو آرام کی عادت ہے بدل سکیں اس لئے وہ بھی کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ایسی مجلس کی بات کرتے ہیں جو چند آدمیوں کی مجلس ہوا کرتی تھی اور بعینہٖ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے آپؓ کو بیٹھنا ہوتا تھا۔ وہ حالت ایسی تھی جس میں چوکڑی مار کر بیٹھنا یقیناً بے ادبی اور گستاخی ہوتی۔

''جاننے والے جانتے ہیں (یہ لکھتے ہیں مصلح موعودؓ کہ) خواہ مجھے تکلیف بھی ہوتی مگر یہ جرأت نہ کرتا اور نہ اونچی آواز سے کلام کرتا۔''

(منصب خلافت از حضرت مرزا بشیر الدین محمودؓ صاحب صفحہ: 33)

تو اس میں، حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس بات میں بہت بڑی نصیحت ہے ساری جماعت کے لئے اور اس سے حضرت مولوی شیر علیؓ صاحب کے اوپر بھی ایک بہت اچھی روشنی پڑتی ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں: ''جاننے والے جانتے ہیں۔'' ان جاننے والوں میں مَیں نے ایک حضرت مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت دیکھی ہے اور روایتیں ہونگی تو میرے علم میں نہیں۔

اب اس مضمون سے ہٹ کر ایک اور مضمون بیان کرتا ہوں جو آپ کے جلسہ کی مناسبت سے بیان کیا جانا ضروری ہے اور وہ ایثار کا مضمون ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ الَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَ لَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الحشر: 10)

ایثار کا مضمون تو بہت وسیع ہے اور کئی قسم کی قربانیوں پر یہ مضمون پھیلا ہوا ہے لیکن آج اس خطاب میں مَیں ایثار کا صرف وہ حصّہ بیان کروں گا جو جماعت احمدیہ جرمنی کے اس جلسہ سالانہ سے تعلق رکھتا ہے۔ سب سے پہلے تو میں اس بات پر آپ کو خوشخبری دیتا ہوں اور مبارک باد دیتا ہوں کہ میں نے جماعت جرمنی میں اس پہلو سے بہت ایثار پایا ہے، اتنا کہ کسی اور جماعت میں ایثار ہو تو وہ لازماً خدا تعالیٰ کا شکر گزار ہو کہ اس نے ایثار کا حق ادا کرنے کی توفیق بخشی۔ ایثار کے جتنے پہلو ہیں ان

میں سے ایک دو پہلو جو جلسے سے تعلق رکھتے ہیں وہ میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ سب سے پہلے یہ کہ اپنے وقت کو قربان کرنا ایثار ہے، اپنے مال کو قربان کرنا ایثار ہے، اپنی سہولتوں کو دوسرے کی خاطر قربان کر دینا یہ بھی ایثار ہے اور اس جرمنی کے جلسہ میں ہمیں ایثار کے یہ تینوں پہلو ہر طرف دکھائی دے رہے ہیں۔ باہر سے آنے والے مہمانوں کا جس اہتمام کے ساتھ جماعت جرمنی کو خیال رکھنے کی توفیق ملتی ہے کم ہی آپ کو یہ نظارے دوسری جماعتوں میں دکھائی دیں گے ضرور ایسی جماعتیں ہیں جن میں ایثار کے یہی جذبے کام کرتے ہیں، بعض پہلوؤں سے شاید زیادہ بھی ہوں لیکن یہ بات جرمنی میں جس کثرت سے پھیلی ہوئی ہے اس کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ایک تنہا آپ دُنیا میں وہ جماعت ہیں جہاں بیس ہزار سے زائد، کم سے کم میرا اندازہ ہے، بیس ہزار سے زائد افراد مرد عورتیں اور بچے جرمنی کے جلسہ کے دنوں میں مسلسل ایثار سے کام لے رہے ہوتے ہیں۔ بعض ماؤں کو اپنے بچوں کی ہوش نہیں رہتی اور بچے بھی اس وجہ سے صبر کرتے ہیں کہ جلسہ کے دن ہیں اور انہیں یہ تکلیف ساتھ اٹھانی چاہئے تو اگر بچوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو تیس ہزار بھی کم ہوگا اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ میں سے خدا تعالیٰ تیس ہزار افراد کو مختلف پہلوؤں سے ایثار کی توفیق بخشتا ہے۔

ایثار کے تعلق میں چند باتیں میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ ایثار ایک طبعی حالت کا نام ہے اور وقتی ضرورت کا نام نہیں ہے۔ سچا ایثار جو قائم رہتا ہے، باقی رہتا ہے اور ہمیشہ آپ کو خدا کے قریب کر سکتا ہے اور کرتا رہتا ہے وہ طبیعت اور مزاج میں مٹی ہونا ہے۔ اگر مزاج مٹی ہو چکا ہو، اگر طبیعت میں تکبر کا کوئی شائبہ تک باقی نہ رہے تو ایسے انسان کا ایثار ایک دائمی ایثار ہو جاتا ہے لیکن اس کے اظہار پھر اس کی دوسری زندگی میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔ صرف جلسہ کے موقعوں پر مہمانوں کے تعلق میں نہیں بلکہ روز مرّہ کے ہر انسانی سلوک میں یہ ایثار کا اظہار ہوتا ہے۔ آج کل میں جانتا ہوں بعض لوگوں نے اپنے گھر کلیۃً خالی کر دئے ہیں تا کہ وہ مہمان جو پسند نہیں کرتے کہ ان کے ساتھ ان کے گھروں میں دوسرے لوگ بھی ٹھہرے ہوں ان کو پوری طرح بے تکلفی میسر ہو اور آرام سے وہ جتنے دن چاہیں، جس طرح چاہیں ان کے گھر کی چیزیں استعمال کریں۔ ایسے گھر کثرت سے میرے علم میں ہیں لیکن جو ایثار میں بتا رہا ہوں، جس کی میں بات کر رہا ہوں وہ مزاج کا وہ انکسار ہے جو باقی رہنا چاہئے اور ساری زندگی اس کو آپ کا ساتھ دینا چاہئے۔ اس ایثار کے نتیجہ میں جب بھی کوئی

مہمان آئے خواہ وہ جلسہ کا موقع ہو یا کوئی اور موقع ہو اس کے ساتھ میزبانی کے ادب اختیار کرنا، محبت و بشاشت سے اس کے ساتھ پیش آنا اور مہمان نوازی کے لئے جو رسول اللہ ﷺ نے مدت مقرر فرمائی ہے اس مدت کے اندر اس کی مہمان نوازی کے سارے تقاضے پورے کرنا یہ طبعی خوشی سے ہونا چاہئے، یہ تکلف سے نہیں ہونا چاہئے۔ اور اگر یہ طبعی جوش ہو تو پھر آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی بھی وہ ساری باتیں یاد آ جائیں گی کہ آپؑ کس طرح مہمان نوازی کیا کرتے تھے۔ دیکھنے والے کے لئے تکلیف ہوتی تھی لیکن آپؑ کو اس تکلیف میں ایک ایسا لذت کا احساس ملتا تھا جس میں آپؑ کی نظر خدا کی رضا پر پڑتی رہتی تھی اور عادتاً جھکتے تھے، عادتاً مہمان نوازی کرتے تھے اور اس کے لطف اٹھاتے تھے۔ بعض صحابہؓ کی روایت ہے کہ ہم نے دیکھا تو بہت تکلیف کی حالت میں، سردی میں سکڑے ہوئے ایک کوٹ اوپر لیا ہوا اور کوئی بستر نہیں، کوئی آرام کا سامان نہیں۔ اور جب انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا تو مسکرا کر فرمایا کہ کوئی تکلیف نہیں مجھے بڑا آرام مل رہا ہے کیونکہ سب کچھ مہمانوں کے آرام کے لئے باہر بھیج چکے تھے۔ اس بات میں آرام مل رہا تھا کہ مہمانوں کو آرام ہے تو اگر تکلیف ہو تو یہ کیفیت پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر انکساری گہری اور سچی نہ ہو تو ناممکن ہے کہ اس قسم کی تکلیف میں انسان مزہ اٹھا سکے۔ تو اپنی عادت میں یہ انکساری داخل کریں جو زندگی بھر آپ کا ساتھ دے گی اور اِس دُنیا ہی میں نہیں بلکہ اُس دُنیا میں بھی کام آئے گی کیونکہ یہی انکساری ہے جو درحقیقت انسان کو قرب الٰہی بخشتی ہے اور یہی انکساری ہے جس کے نتیجہ میں دُنیا کا سب سے بڑا انسان حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ پیدا ہوئے یعنی پیدا ہوئے سے مراد ہے آپ ﷺ کو وجود کی خلعت بخشی گئی یعنی جو وجود محمد رسول اللہ ﷺ کے بیج سے اٹھا ہے وہ وجود پیدا ہوا۔ میری مراد پیدا ہونے سے بچے کی پیدائش نہیں بلکہ ہر انسان میں سے ایک تخلیق نو ہوا کرتی ہے۔ اس تخلیق نو کی مَیں بات کرتا ہوں کہ آنحضور ﷺ اپنی اسی انکساری کے نتیجہ میں پیدا ہوئے اور ایک بشر سے محمد رسول اللہ ﷺ بن گئے۔

پس آپ کی بھی اپنی اپنی صلاحیتوں کے دائرے ہیں۔ ان دائروں سے باہر تو آپ جا نہیں سکتے مگر اگر انکساری کا حق ادا کریں اور آج کل انکساری سیکھنے کا بہت اچھا موقع ہے کیونکہ آج کل کے حالات میں تو میں جانتا ہوں کہ آپ کی انکساری آپ کو ضرور مزہ دیتی ہے اور لطف اٹھا رہے ہیں مگر یہ

بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ایک ہوا چلی ہوئی ہے جیسے بہار کے موسم میں کانٹے دار جھاڑیاں بھی پھول پھل لے آتی ہیں تو اس عام مہمان نوازی کے موسم میں بعید نہیں کہ وہ لوگ جو طبیعت کے نسبتاً کرخت بھی ہیں وہ بھی میزبانی کے مزے لوٹ رہے ہوں اور مہمانی کا حق ادا کرنے کے مزے لوٹ رہے ہوں۔ تو جب کثرت سے ایسی باتیں دکھائی دیتی ہیں تو تجزیہ کرنا پڑتا ہے اور سب سے اچھا تجزیہ ہر انسان اپنا خود کرسکتا ہے کیا یہی رنگ آپ کا بعد میں بھی جاری رہتا ہے کہ نہیں۔ اگر ایثار طبیعت میں ہے تو اپنے گھر والوں سے بھی تو ایثار ہونا چاہئے، اپنی بیوی سے ایثار کا سلوک ہونا چاہئے، اپنے بچوں سے ایثار کا سلوک ہونا چاہئے اور جب اس پہلو سے آپ ایثار کے مضمون کا مطالعہ کریں گے تو یہ بہت پھیلا ہوا مضمون دکھائی دے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً جو بھی ان کی طرف ہجرت کرتے ہیں، یہ انصار کا ذکر چل رہا ہے اُن سے اُن کے دلوں میں کوئی تنگی نہیں ہوتی اور ان سے ان کی کوئی حاجت بھی وابستہ نہیں ہوتی اور جو کچھ ان کو ملتا ہے اس پر وہ حسد تو بہر حال محسوس نہیں کرتے مگر ان معنوں میں رشک بھی نہیں کرتے کہ ان کو بھی وہ ضرور مل جائے۔ اپنے بھائیوں کو جو خدا کی راہ میں ہجرت کر کے آئے ان کو اتنا پیار سے دیکھتے ہیں، اس قدر انکسار سے ان کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں کہ ان کو جو کچھ بھی ملے اس پر یہ بھی خوش ہوتے ہیں گویا اپنے کو مل گیا۔ اور ان کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے اپنی ضرورتوں کو قربان کرتے رہتے ہیں۔ یہ ایثار کی سچی تعریف ہے جو قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے۔ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ خواہ تنگی ہی کیوں نہ ہو۔ پس تنگی کے حالات میں آپ کی مہمان نوازی آزمائی جاتی ہے اور جب تنگی پڑتی ہے اور تنگی صرف اپنے کو ہی نہیں بلکہ بیوی اور بچوں کو بھی تنگ کرتی ہے اس وقت کی جو مہمان نوازی ہے وہ گہرے انکسار سے عطا ہوسکتی ہے ورنہ نہیں ہوسکتی۔ اس ضمن میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند اقتباسات میں نے چنے ہیں جو آپ کے سامنے رکھتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ ان کی تشریح کرسکوں جو آپ کو اچھی طرح سمجھ آئے۔ اس مضمون کو جس گہرائی سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سمجھا ہے اسے دیکھ کر انسان کا دل عش عش کر اٹھتا ہے۔ فرمایا:

’’انسان چونکہ ناقص اور ثواب حاصل کرنے کے لئے اعمال صالحہ کا محتاج ہے اس لئے کبھی وہ تواضع اور تذلل کے طور پر اپنے خدا کو خوش کرنے کے لئے اپنے آرام پر دوسرے کا آرام مقدم کر لیتا ہے اور آپ ایک حظّ سے بے نصیب رہ کر دوسرے کو وہ حظّ پہنچاتا ہے۔‘‘

یعنی ایثار کی سچی تعریف یہ ہے کہ خدا کی رضا کی خاطر، اپنے خدا کو خوش کرنے کے لئے، اپنے آرام پر دوسرے کا آرام مقدم کر لیتا ہے۔ یہ زندگی بھر کا معاملہ ہے اور آپ ایک حظّ سے بے نصیب رہ کر، ایک لطف سے بے نصیب رہ کر دوسرے کو وہ لطف پہنچاتا ہے۔ اب جو لطف ہے اس میں دونوں پہلو مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائے ہیں۔ ایک لطف اس نے دوسرے کے لئے مہیا کیا مگر وہ ایسا لطف نہیں ہے جو مہیا کرے اور اپنے لطف میں کمی نہ آئے۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام جب ایثار کی بات کرتے ہیں تو بے حد باریک نظر سے گفتگو فرماتے ہیں۔ اگر باریک نظر سے آپؑ کی باتوں کا مطالعہ نہ کیا جائے تو آپ کو صحیح پیغام مل ہی نہیں سکتا۔ ایثار کا مطلب ہے کچھ چھوڑنا اور اسے دوسرے کی طرف منتقل کرنا۔ یہ فقرہ کہ: ’’ایک حظ سے بے نصیب رہ کر دوسرے کو وہ حظ پہنچاتا ہے۔‘‘ یہ ایثار کی تعریف میں لازم ہے۔ جو حظّ آپ غیر کو پہنچا رہے ہیں اس سے خود بے نصیب ہو رہے ہیں۔ مثلاً ایک دوست مہمان آتے ہیں آپ سے ملنے کے لئے تشریف لاتے ہیں، آپ اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر جتنی دیر ان کے پاس بیٹھے رہتے ہیں ایک حظّ سے محروم ہو رہے ہیں اور اس کے پاس بیٹھنے کے نتیجہ میں اپنا حظّ جو بیوی بچوں میں آپ کو حاصل ہونا تھا وہ اس کو پہنچا رہے ہیں کہ اسے آپ کو ملنے کی خواہش ہے تو یہ حقیقی ایثار ہے۔

’’آپ ایک حظّ سے بے نصیب رہ کر دوسرے کو وہ حظّ پہنچاتا ہے تا اس طرح پر اپنے خدا کو راضی کرے اور اس کی اس صفت کا نام عربی میں ایثار ہے۔ (پھر فرمایا:) ظاہر ہے کہ یہ صفت گو عاجز انسان کی صفات محمودہ میں سے ہے لیکن خدا کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی۔‘‘

اب یہ پہلو بھی بہت اہم ہے کہ اگر چہ ایثار انسان کو زیب دیتا ہے بلکہ اتنا زیب دیتا ہے کہ ایثار کے بغیر انسان کوئی روحانی ترقی کر ہی نہیں سکتا، خدا سے مل ہی نہیں سکتا اگر ایثار نہ ہو لیکن یہ صفت محمودہ

تو ہے، بہت پیاری اور قابل تعریف صفت ہے مگر خدا میں نہیں ہے کیونکہ خدا کو اپنا کوئی حظّ چھوڑنا نہیں پڑتا۔ اس لئے جب بھی وہ بندے پر جھکتا ہے احسان سے جھکتا ہے، ایثار سے نہیں جھکتا۔ اب یہ پہلو بھی بہت ہی لطیف پہلو ہے جو بعض ایسی صفات میں خدا کو بندے سے ممتاز کر کے دکھاتا ہے جو یا محض بندے میں ہوں گی یا محض خدا میں ہوں گی۔ اپنی اپنی جگہ دونوں قابل تعریف ہیں مگر ایک دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوسکتیں۔ ان کے درمیان ایک دائمی حد فاصل ہے۔ اسے وہ صفات پار نہیں کرسکتیں۔

''لیکن خدا کی طرف منسوب نہیں ہوسکتی کیونکہ نہ تو وہ تواضع اور تذلل کے راہ سے کسی ترقی کا محتاج ہے۔''

اب انسان تو تواضع کرتا ہے اس لئے کہ اس کے نتیجہ میں اسے ترقی ملتی ہے۔ وہ ترقی کیا ہے اللہ تعالیٰ کے قریب تر ہونا مگر اللہ کیوں تواضع کرے وہ تو کسی ترقی کا محتاج نہیں ہے۔ وہ تو ترقیوں کا منبع ہے۔ اسے کون سی اور ترقی کرنی ہے جس کی وجہ سے اس کو تواضع کرنا پڑے۔

''اور نہ اس کی جناب میں یہ تجویز کر سکتے ہیں کہ وہ دوسروں کو کسی قسم کا آرام پہنچانے کے لئے اس بات کا محتاج ہے کہ اپنے تئیں مصیبت میں ڈالے۔''

اب دیکھ لیں بندہ جب بھی کسی کو آرام پہنچانے کے لئے جب کوئی ایثار کرتا ہے تو لازماً اپنے آپ کو کچھ مصیبت میں ڈالتا ہے اور یہی چیز ہے جس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام توجہ دلا رہے ہیں کہ اللہ کسی کو آرام پہنچانے کی خاطر اپنے آپ کو مصیبت میں نہیں ڈالتا کیونکہ یہ اس کی شان کبریائی کے خلاف ہے۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں کہ:

''یہ بات قدرت تامہ اور نشانِ الوہیت اور جلالِ ازلی ابدی کے منافی ہے۔ اور اگر وہ اس قسم کی ذلت اور مصیبت اور محرومی اپنے لئے روا رکھ سکتا ہے تو پھر یہ بھی ممکن ہوگا کہ وہ اپنی خدائی کسی دوسرے کو بطور ایثار دے۔''

اب دیکھیں استدلال کا کیسا پیارا رنگ ہے کہ ایثار میں تو آپ اپنی ایک چیز دوسرے کو دے دیتے ہیں آرام دیں یا دولت دیں اور منفعت بخش چیزیں عطا کریں۔ اپنی ایک چیز اپنے سے الگ کر کے دوسرے کو دیتے ہیں تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے اس قسم کا

ایثار ہو ہی نہیں سکتا یعنی اس کی طرف منسوب کرنا بھی اس کی شدید گستاخی ہوگی کیونکہ پھر اس ایثار کے ساتھ وہ خدا خدا رہ ہی نہیں سکتا۔ اس ایثار کا نتیجہ تو یہ ہے کہ:

''یہ بھی ممکن ہوگا کہ وہ اپنی خدائی کسی دوسرے کو بطور ایثار دے کر آپ معطل اور بے کار بیٹھ جائے یا اپنی صفات کاملہ دوسرے کو عطا کر کے آپ ان صفات سے ہمیشہ کے لئے محروم رہے۔''

پس ایثار میں چیزوں کا دوسری طرف انتقال اس رنگ میں کرنا کہ آپ ان سے محروم رہ جائے یہ بنیادی بات ہے اور یہ بنیادی حقیقت ہے جس کو سمجھے بغیر آپ کو ایثار کے حقیقی معنی آ ہی نہیں سکتے۔ فرماتے ہیں:

''سو ایسا خیال خدا تعالیٰ کی جناب میں بڑی گستاخی ہے اور میں قبول نہیں کر سکتا کہ کوئی خدا ترس، منصف مزاج یہ ناقص حالتیں خدائے ذوالجلال کے لئے پسند کرے گا۔ ہاں بلاشبہ یہ صفت ایثار جس میں ناداری اور لاچاری اور ضعف اور محرومی شرط ہے ایک عاجز انسان کی نیک صفت ہے کہ باوجود یکہ دوسرے کو آرام پہنچا کر اپنے آرام کا سامان اس کے پاس باقی نہیں رہتا پھر بھی وہ اپنے پر سختی کر کے دوسرے کو آرام پہنچا دیتا ہے۔۔۔''

یہ ذرا لمبی عبارت تھی وقت کی مناسبت سے میں اس کو مختصر کر رہا ہوں۔

''۔۔۔ یہ بھی یاد رہے کہ انسان کی صفت ایثار اس شرط سے قابل تحسین ہے کہ اس میں کوئی بے غیرتی اور دیّوثی اور اتلافِ حقوق نہ ہو۔''

(کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ: 97 تا 99)

یہ ایک بہت ہی اہم بنیادی بات ہے جس کو روز مرّہ کی زندگی میں سمجھنا چاہئے۔ بے غیرتی اور دیوثی کا نام ایثار نہیں ہے۔ شمالی چین میں بعض ایسے علاقے ہیں جہاں ایثار کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ انسان جو گھر میں آئے وہ گھر کا مالک اس طرح بنا دیا جائے کہ گھر کی بیوی بچوں وغیرہ پر بھی اس کو تصرف حاصل ہو۔ یہ وہ اشارہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام نے فرمایا ہے کہ اس کا نام ایثار نہیں ہے، دیوثی ہے۔ پس چونکہ وہ جاہل لوگ خدا سے بے بہرہ ہیں اس لئے انہوں نے ایثار کا ایک ایسا رنگ اختیار کر لیا جس کا حقیقی ایثار سے یا حیاداری سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں۔ اس بات کو پیش نظر

رکھتے ہوئے اپنے گھروں میں مہمانی کیا کریں کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ گھر کا مہمان آ گیا ہے بیوی بچوں سے پردہ ہی اتار دیا جائے وہ بے تکلفی سے جہاں چاہے پھرے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا گھر آپ کا گھر ہے اب آپ ہمارے گھر میں اس طرح رہیں جیسے اپنے گھر میں رہتے ہیں۔ اس کی وہ مثال جو میں نے بیان کی تھی وہ درست مثال ہے۔ بعض لوگ جو چاہتے ہیں کہ اپنا گھر سمجھ کر کوئی رہے وہ گھر ہی خالی کر دیتے ہیں۔ وہ یہ نہیں کیا کرتے کہ اپنے نفوس کے ساتھ آنے والے نفوس کو اس طرح ملا جلا دیں کہ ان کی حرمت کا احساس باقی رہے نہ اپنی حرمت کا احساس باقی رہے۔ اس قسم کے ایثار کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیوثی قرار دیا ہے کیونکہ بات کھولنے کا وقت نہیں نہ یہ مناسب ہوگا کہ اتنی بڑی مجلس میں جہاں خواتین بھی سن رہی ہوں یہ باتیں کھول کھول کر بیان کی جائیں مگر اس کے نتیجہ میں اس کو جس کو آپ ایثار سمجھ رہے ہونگے اس کے نتیجہ میں اپنی جان، اپنی عزت اور خدا کی رضا کو تلف کر رہے ہونگے۔ تو ایثار تو بندے میں تب زیب دیتا ہے کہ وہ خدا کے قریب کر رہا ہو۔ اگر خدا سے دور کر رہا ہو تو اسے کون احمق ایثار قرار دے گا۔

پس اپنے معاشرے کی حفاظت کریں اور جرمنی کے ماحول میں یہ حفاظت آپ سے ہمہ گیر تقاضے کرتی ہے، ہمہ وقت تقاضے کرتی ہے۔ اور اسی نصیحت کے ساتھ اب میں چند منٹ تک اس خطبہ کو ختم کروں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ جو لمبی عبارت ہے اس میں سے یہ آخری حصّہ میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ ایثار سے مراد محض نفس کو تکلیف میں ڈالنا ہرگز نہیں ہے۔ تکلیف میں اس صورت میں ڈالنا کہ اس سے بہتر فوائد حاصل ہوں اور ادنیٰ چیز قربان کر کے اعلیٰ چیز حاصل کر رہے ہوں۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ اگر صرف تکلیف میں ڈالنا، ایک خیال کے پیچھے تکلیف میں ڈالنا حقیقی ایثار ہوتا تو پھر ایسے ہندو بھی ملتے ہیں جو بتوں کے سامنے کھڑے کھڑے اپنے بازو یا ٹانگیں سکھا لیتے ہیں یا بتوں کی خاطر اپنے بچوں کو قربان کر دیتے ہیں، زندہ بچوں کو گنگا میں بہا دیتے ہیں مگر یہ حق تلفی ہے۔ یہ ایثار نہیں ہے کیونکہ ایثار کے نتیجہ میں آپ کو زیادہ سے زیادہ یہ حق ملتا ہے کہ آپ تکلیف اٹھائیں کسی کو خوش کرنے کے لئے، کسی دوسرے نفس پر آپ کو ہرگز اختیار نہیں ہے کہ اس کو زبردستی تکلیف پہنچائیں تا کہ کوئی اور آپ سے خوش ہو جائے۔ یہ فرق ہے جو ہندو فلسفہ میں اور مسلمان فلسفہ میں ہے۔ ورنہ آپ کہہ سکتے ہیں کہ ہم سب قربانی جب کرتے ہیں تو بچے بھی تکلیف

اٹھاتے ہیں مگر یہ مراد نہیں کہ بچے کو مجبور کر کے اس گھاٹ میں غرق کر دیا جائے جہاں وہ اپنے ہوش اور حواس کے ساتھ کبھی بھی غرق ہونا پسند نہ کرے۔

پس ایثار لازم ہے اور اس کے بغیر آپ کو مزید ترقیات نصیب نہیں ہو سکتیں مگر ایثار کو اپنی زندگی کا ایک لازمی حصّہ بنالیں گویا وہ آپ کی سرشت ہو جائے اور اس سرشت کے ساتھ آپ کو تمام جرمن قوم سے تعلق رکھنا چاہئے اور تمام ان قوموں سے تعلق رکھنا چاہئے جو اس ملک میں آ کر آباد ہوئی ہیں۔ یہ ایثار ہی ہے جو آپ کے رستے صاف کرے گا۔ ایثار کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ آپ کو غیر قوموں کے دلوں میں گھر کرنے کی توفیق بخشے گا، ان کو اپنانے کی توفیق بخشے گا۔ وہ جو بے گھر ہیں ان کو گھر مہیا کرنے کی توفیق بخشے گا مگر اپنی عزت اور احترام کی قربانی کے بغیر۔ پس میں امید رکھتا ہوں کہ آپ کی جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو ایثار کے بہت نمونے دکھا رہی ہے ایسے نمونے کہ ان کے متعلق سوچ کر بعض دفعہ میرے دل سے آنسوؤں میں بھیگی ہوئی دعائیں اٹھتی ہیں۔ میں جب تصور کرتا ہوں تو عش عش کر اٹھتا ہوں۔ سبحان اللہ، اللہ نے کیسے کیسے پیارے وجود قائم کئے ہیں اور واقعۃً ان کے ایثار کے تصور سے میری آنکھیں بھیگ جاتی ہیں کیونکہ یہ غبار دل سے اٹھ رہے ہوتے ہیں۔ اور کبھی ایک دن بھی، ایک رات بھی ایسی نہیں گزری جب میں نے آپ کو، خصوصاً جرمنی کی جماعت کو ان کے ایثار کی وجہ سے اپنی دعا میں یاد نہ رکھا ہو۔ ایک رات بھی ایسی نہیں گزرتی۔ مختلف حالتیں ہیں۔ کبھی سکون کے ساتھ وہ باتیں اللہ کے حضور عرض کرتا ہوں کہ ان بندوں کا خیال رکھ وہ تیری خاطر یہ قربانی کر رہے ہیں پھر ان سے بیقرار ہو کر اپنا چین کھو دیتا ہوں مگر آپ کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ اس ایثار کو چمٹے رہیں، اس کو اپنی فطرت ثانیہ بنالیں اور اسی ایثار کے ساتھ سب قوموں کے ساتھ سلوک کریں کیونکہ میں اُمید رکھتا ہوں کہ یہ ایثار انشاء اللہ جرمنی کے اندر رہنے والے جرمنوں اور غیر قوموں کے دل بدل دیں گے اور احمدیت کے لئے ان کے دلوں کی راہیں صاف ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔